اسلامی اور جمہوری طرز انتخاب کا تحقیقی اور تقابلی جائزہ

تالیف : سید سحر محمد اسامہ

السبیل النجاۃ

اسلامی اور جمہوری طرزِ انتخاب

کا

تحقیقی اور تقابلی جائزہ

تالیف

سید سحر محمد اسامہ

پیش لفظ

اسلامی تہذیب و ثقافت کی عروج صدیوں تک اطراف عالم پر چھائی ہوئی تھی اور اس عروج کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد اسلام کے سیاسی ڈھانچے کا استحکام اور مستحکم نظریات پر مبنی ہونا تھا۔ ملت اسلامیہ پر روزِ اول سے باطل کی جانب سے مادی میدانوں کے ساتھ ساتھ فکری محاذوں پر بھی حملے جاری و ساری تھیں اور ابھی تک مسلسل جاری ہیں۔ اسی تناظر میں اسلام کے مستحکم سیاسی نظریات پر بھی اہلِ باطل نے خوب توجہ دی اور مغرب نے خلافت اسلامیہ کے خاتمے کے ساتھ مسلمانوں میں مغربی سیاسی افکار کی ترویج پر خصوصی توجہ دی۔ جب کہ منظم پالیسی کے تحت مسلمانوں کے اذہان سے اجتماعی قوت کے منبع (خلافت) کو ختم کرنے اور مسلمانوں کو نسلی اور وطنی افکار کے ذریعے افتراق کا شکار بنادیا اور یوں مسلمانوں نے فکری میدان میں خاموش شکست قبول کی۔ وطنی اور علاقائی بنیادوں پر اپنے اپنے جھنڈوں کو سلامی دینا عبادت سمجھ لیا۔ وطنیت کے لیے جہاد کو جائز جب کہ اسلام کے لیے ناجائز قرار دیدیا۔ اس کے ساتھ ساتھ مغرب کے نظامِ جمہوریت کو ایک مستقل مسیحا کے طور پر قبول کرنے کے بعد جمہوری روایات کو بھی مستحسن قرار دیتے ہوئے اس کے ہر ہر جزو کو اسلامی ثابت کرنے کے لیے اپنے تگ ودو کو اس راہ پر ڈالنا شروع کر دیا۔ اس راہ میں مغربی سیاسی فکر سے نکلے ہوئے نظام جمہوریت کو بھی اسلامی بناڈالا اور ایک قسم "اسلامی جمہوریت" کا بنیاد رکھ دیا اور پھر اسلامی جمہوریت کے ضمن میں مغرب کے سیاسی فکر کے تحت جمہوری طرز انتخاب کو بھی ایک قابل تقلید اور شرعی طریقہ کار کے طور پر امت کے سامنے پیش کر دیا۔

خالص اسلامی سیاسی افکار کو اٹھانے والے علماء نے مغرب کے نظامِ جمہوریت پر خوب الٰہی کوڑے برسائے۔ قطعی دلائل سے اس کار دامت کے سامنے پیش کر دیا۔ عرب و عجم علماء نے سینکڑوں تصانیف اس باطل نظام کے رد میں لکھیں۔ جن افکار و نظریات سے اس مغربی نظام کو سیرابی ملتی تھی علمائے راسخین نے ان تمام منابع وبنیادوں کو اپنے قلموں کے ذریعے نیست و نابود کر کے رکھ دیا اور یہ معرکہ تاحال جاری ہے۔

مغرب کے اس فرسودہ اور اسلام مخالف نظام کے بنیادی اکائیوں میں سے ایک اکائی اس نظام کا حکمران کو منتخب کرنے کا طریقہ کار ہے۔ چونکہ باطل افکار کے لیے اہلِ باطل کی طرف سے خوب ملمع سازی سے زمین ہموار کی جاتی ہے اور اسے عام کرنے کے لیے وہ ہر ممکن کوشش کیا کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے مغرب کے اس جادوئی جال میں بعض مسلمان ایسے پھنس گئے کہ اس سے نکلنے کی بجائے دیگر آزاد لوگوں کو بھی اس قفس کی مدح سرائیاں بیان کرنے میں مصروف ہوگئے۔ امت کو یہ تاثر دینے لگے کہ شریعت کا اس سے کوئی تضاد نہیں اور جمہوری طرزِ انتخاب میں کوئی شرعی قباحت بھی نہیں جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔

پس جمہوری نظام پر رد کرنے کے لیے لازمی ہے کہ پہلے اس نظام کے حکمران کو منتخب کرنے کے طریقہ کار پر رد کیا جائے کیونکہ آج کل یہ جملہ زبان زدِ عام ہے کہ جمہوریت کوئی نظام نہیں بلکہ طرزِ انتخاب ہے لہذا اس کے بعد جمہوری نظام کے خمیر میں چھپے کفر کو آشکارا کرنا اور جمہوریت کا اسلامی سیاسی فکر و نظر کے ساتھ تضادات بیان کرنا مفید ہوگا۔ یہ مضمون اس جمہوری بنیادی اکائی کا رد ہے۔ اس کے بعد جمہوی نظام کے اگلے اکائیوں پر ترتیب وار مضامین کی صورت میں کام کیا جائے گا تاکہ امت مسلمہ کو اس بدترین فتنے کا تعارف کیا جائے۔

رسالہ ہذا درج ذیل مضامین پر ترتیب وار مشتمل ہوگا۔

1. اسلامی طرز انتخاب کو علم کلام کے مستند کتب کے حوالے سے پیش کرنے کے ساتھ جمہوری طرز انتخاب کو ذکر کرنا۔
2. حکمران کے شرعی و غیر شرعی یعنی جمہوری طرز انتخاب کا جائزہ لینا۔
3. اسلامی و جمہوری طرز انتخاب میں بنیادی فروق اور تضادات کا ذکر اور ان کے مابین جدائیت کو واضح کرنا۔
4. خاتمہ میں مستند علمائے کرام کے اقوال کو بطور تائید اس مضمون میں پیش کیا جائے گا۔

اردو چونکہ نہ اپنی مادری زبان ہے اور نہ اردو پر بندہ کو عبور حاصل ہے لہذا املاء کی غلطیوں کو نظر انداز کر کے قارئین حضرات سے مقصود پر نظر مرکوز رکھنے کی التماس پیش کی جاتی ہے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس مضمون کو قبولیت عام بخشنے کے ساتھ ساتھ صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین ثم آمین، و باللہ التوفیق والسداد

بندہ: سید سحر محمد اسامہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جب سے امت مسلمہ خلافت اسلامیہ کے عظیم نعمت سے محروم ہو چکی ہے تو استعمار کے پھیلائے ہوئے باطل سیاسی نظریات سے متاثر ہو چکی ہے ،ان باطل سیاسی نظریات میں ایک جمہوری نظام ہے جس کی بنیادی اکائی جمہوری طرزِ انتخاب یعنی "ووٹنگ کا مروجہ سسٹم" ہے۔

انسانی جسم کے لئے جس طرح آکسیجن اہمیت رکھتی ہے اسی طرح جمہوری نظام کے لئے ووٹنگ وانتخابات اہمیت رکھتی ہے ،لہٰذا جمہوریت کی ابطال کے لیے لازم ہے کہ جمہوری طرزِ انتخاب کا از روئے شرع ابطال اور حکمران کے شرعی طریقہ انتخاب کا اثبات کیا جائے،

خاص کر آج کے زمانے میں تو اہل حق علماء کے لئے ووٹنگ کی مروجہ سسٹم پر رد کرنا انتہائی ضروری ہو گیا ہے کیوں کہ عوام تو کیا خواص سے بھی یہ باتیں سننے کو ملتی ہیں کہ "جمہوری طرزِ انتخاب یعنی الیکشن و ووٹنگ کا شریعت سے کوئی تصادم ہی نہیں" حتی کہ بعض لوگ تو حکمران کے انتخاب کے لیے شرعی طریقہ کار کو اسی ووٹنگ و الیکشن کے مروجہ طریقہ کار میں محصور سمجھتے ہیں۔ معاذ اللہ

اسلامی طرز انتخاب کو ذکر کرنے سے پہلے مناسب ہو گا کہ ہم جمہوری طرز انتخاب کا ذکر کر لیں تا کہ بعد میں اسلامی طرز انتخاب کو ذکر کرتے وقت جمہوری طرز انتخاب پر رد کرنے میں آسانی ہو۔

جمہوری طرزِ انتخاب کا خلاصہ

معاصر دنیا میں اگر ہم جمہوری طرز انتخاب یعنی "ووٹنگ" پر نظر ڈالیں تو جمہوری طرز انتخاب کا خلاصہ کچھ یوں نکلے گا کہ :

نمبر 1 : مملکت میں حقِ رائے دہی کی بنیاد پر ہر اس شخص کو حکمران کے انتخاب کا ذاتی حق حاصل ہے جو مملکت کا شہری ہو، عمر اٹھارہ سال سے کم نہ ہو جیسا کہ آئینِ پاکستان میں مندرج ہے اور اس کا اندراج ووٹر لسٹ میں ہو چکا ہو۔ چاہے وہ فاسق، فاجر، زندیق یا اعتقادی بدعتی کیوں نہ ہو مثلاً قادیانی، رافضی، اسماعیلی، پرویزی وغیرہ

نمبر2: عوامی حقِ رائے دہی میں پھر کامیابی وناکامی کا معیار کثرت رائے ہوتی ہے اور اکثریت کے تحت عورت ومرد، فاسق وفاجر، متقی وپرہیزگار، شیخ الحدیث وعام انسان، سیاسی میدان کا ماہر ومحض جاہل، چرسی اور بھنگی ان سب کی رائے باعتبارِ قوت برابر ومساوی شمار کیا جاتاہے یعنی پچاس شرعی سیاسی ماہرین اگر ایک شخص کو منتخب کرلیں اور اس کے مدمقابل ساٹھ عدد چرسی و بھنگی کسی دوسرے شخص کو منتخب کرلیں تو جمہوری طرزِ انتخاب کی روشنی میں کثرت رائے کو دیکھتے ہوئے ان چرسیوں کے انتخاب کو نافذالعمل قرار دیا جائے گا۔

نمبر3: جمہوری طرزِ انتخاب میں حکمران کو مخصوص مدت کے لیے مقرر کیا جاتاہے جس کے گزرنے سے وہ خودبخود معزول تصور کیا جاتاہے اور اس کے بعد دوبارہ انتخاب عمل میں لایا جاتاہے۔

جمہوری طرز انتخاب کو پہچاننے کے بعد اب انتخابِ حکمران کی شرعی طریقہ کار کا جائزہ لیا جارہاہے اور دیکھتے ہیں کہ کیا جمہوری طرز انتخاب وشرعی طرز انتخاب میں جدائیت وتضاد موجود ہے یا نہیں۔۔؟

یوں تو شافعی، حنبلی اور حنفی تمام مسالک کے معتمد علمائے کرام نے اس مسئلہ کو بسط وتفصیل سے ذکر کیا ہے، لیکن ہمارے دیار میں حنفیوں کا غلبہ اور بعض حنفی مسلک سے منسوبین چونکہ مسئلہ ہذا میں خلط ملط کا شکار ہوچکے ہیں لہٰذا کوشش کی جارہی ہے کہ ابتداء میں علمائے احناف کے کتب سے حوالہ جات کو پیش کیا جائے۔

اسلامی طرزِ انتخاب کا اجمالی خاکہ

علمائے احناف میں سے محقق ابن الہمامؒ المتوفی سنۃ 861ھ اپنے کتاب "المسایرۃ فی العقائد المنجیۃ فی الاخرۃ" میں لکھتے ہیں: ویثبت عقد الامامۃ اما باستخلاف الخلیفۃ ایاہ کما فعل ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ واما بیعۃ جماعۃ من العلماء او من اہل الرای والتدبیر"

مفہوم: امام کا انتخاب یا تو حاکمِ وقت کی ولی عہدی سے ہوتی ہے جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا تھا، اور یا علما یا اہلِ حل و عقد کی ایک جماعت کی بیعت سے ہوتاہے۔

محقق ابن الہمامؒ نے حکمران کو منتخب کرنے کے حوالے سے مذکورہ دو طریقوں کا ذکر کیا ہے۔

اوّل: ذی رائے و قوم کے معزز رہنما اور علمائے کرام کی بیعت سے جن کے لیے متکلمین وفقہاء "اہل الحل والعقد، اہل الرائے، اہل التدبیر وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

ثانی: ولی عہدی یعنی حکمران اپنی زندگی میں کسی ایک شخص کو جس میں حکمرانی کی صفات موجود ہوں اسے مسلمانوں کا امیر مقرر کر لے ۔اس طریقے کے جواز پر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حوالہ دیا ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو امیر المؤمنین مقرر کر لیا تھا۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ "المسایرۃ" پر مشہور شرح "المسامرۃ" میں کمال الدین محمد بن محمدؒ محقق ابنالہمامؒ کی عبارت "کما فعل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ" کے تحت لکھتا ہے۔قال الشارح(حیث استخلف عمر رضی اللہ عنہ واجماع الصحابۃ علی خلافتہ بذلک اجماع علی صحۃ الاستخلاف)

فرماتا ہے استخلاف یعنی ولی عہدی کے جواز پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔
حنفی عالم امام ابی الیسر البزدویؒ نے بھی اپنے کتاب "اصول الدین" میں ولی عہدی کے جواز پر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا متفق ہونا لکھا ہے ۔قال البزدویؒ"مسالۃ "ثبوت الخلافۃ لعمر رضی اللہ عنہ"----فان ابا بکر استخلفہ واذا ثبت خلافتہ صح استخلافہ "عمر"وکذا الصحابۃ اجمعوا علیہ فان احدا لم یرد علی استخلاف ابی بکر لعمر---"
علمائے احناف میں سے علامہ ابن عابدین الشامیؒ نے "حاشیۃ ابن عابدین "جلد2 صفحہ 335" باب الامامۃ" کے تحت عین محقق ابن الہمام کی عبارت نقل کر کے یوں لکھا ہےقال الشامیؒ: "قال فی المسایرۃ: ویثبت عقد الامامۃ اما باستخلاف الخلیفۃ ایاہ کما فَعَلَ أَبُو بَكْرٍ - رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ - وَإِمَّا بِبَيْعَةِ جَمَاعَةٍ مِنْ الْعُلَمَاءِ أَوْ جَمَاعَةٍ مِنْ أَهْلِ الرَّأْيِ وَالتَّدْبِيرِ"
اس کے علاوہ "جلد 6 صفحہ 401، باب البغاۃ" میں "مطلب: الامام یصیر امام بالمبایعۃ او بالاستخلاف ممن قبلہ" کے تحت بھی اسی عبارت کو نقل کیا ہے۔

علامہ ابن نجیم المصری الحنفیؒ نے "البحر الرائق شرح کنز الدقائق" میں کتاب القضاء کے ذیل میں محقق ابن الہمامؒ کی بعض عبارت کو ذکر کرنے کے بعد "المسایرۃ" کے اسی عبارت پر حوالہ دیا ہے، جہاں محقق ابن الہمامؒ نے اسلامی طرز انتخاب کے دو طریقوں کو ذکر کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے " وتمامہ فی المسایرۃ"یعنی تفصیل وہاں پر مذکور ہے۔قال ابن نجیمؒ: "وتنعقد بیعۃ اہل الحل والعقد من العلماء المجتهدین والرؤساء لما عرف وتکفی مبایعۃ واحد-- وقیل یلزمہ عدد وتمامہ فی المسایرۃ"

علامہ عبدالعزیز فرہارویؒ نے "شرح العقائد" پر لگائے گئے اپنے مایہ ناز حاشیۃ "النبراس" میں بحثِ امامت کو بیان کرتے ہوئے انہی دو طریقوں یعنی ولی عہدی اور اہل الحل والعقد کی بیعت کو اسلامی طرزِ انتخاب کے اجماعی صورتوں میں سے قرار دیا ہے : قال فی النبراس "البحث الرابع:طرق ثبوت الامامۃ اربعۃ:-----الطریق الثانی: نص الامام السابق وہذا باجماع اہل السنۃ، الثالث :بیعۃ اہل الحل العقد باجماع اہل السنۃ---الخ"

علمائے احناف میں سے امام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود حافظ الدین النسفیؒ اپنی کتاب "الاعتماد فی الاعتقاد" میں ان دو طریقوں کو یوں ذکر کرتے ہیں۔قال النسفیؒ: "والخلافۃ کما تثبت باتفاق اہل الرأی تثبت بنص الامام "ص368"

امام نورالدین الصابونی الحنفیؒ بھی ان دو طریقوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے : قال الصابونیؒ " ثم الامامۃ تثبت اما بتنصیص الامام وتعیینہ کما تثبت امامۃ عمر رضی اللہ عنہ باستخلاف ابی بکر ایاہ، واما باختیار اھل العدل والرای کما ثبتت امامۃ ابی بکر۔"الکفایۃ فی الھدایۃ"ص:۲۱۷

امام ابوحنیفہؒ کی تصنیف "الفقہ الاکبر" پر علامہ محی الدین محمد بن بہاالدینؒ المتوفی 956ھ نے "القول الفصل" نام سے عمدۃ شرح لکھی ہے۔اس میں انتخابِ حکمران کے طریقوں کو ذکر کرتے ہوئے مذکور ہے : قالؒ: "فان طرق انعقاد الامامۃ ثلاثۃ ۔احدھا بیعۃ اہل الحل والعقد من العلماء والروساء و وجوہ الناس---والثانی:من طرق الانعقاد استخلاف الامام السابق وعہدہ کما فعل ابوبکر ---الخ"ص:۲۹۰"

علمائے احناف کی مستند کتابوں سے "مشت نمونہ از خروارے" کے طور پر حکمران کو منتخب کرنے کے ان دو شرعی طریقوں کو ذکر کرنے کے بعد کچھ دیگر مشہور کتب سے بھی ان دو طریقوں کے شرعی ہونے پر حوالہ جات ذکر کرتے ہیں۔

سلطانی مباحث میں مشہور کتاب "الاحکام السلطانیۃ" میں امام ماوردی الشافعیؒ فرماتے ہیں : "قال :والامامۃ تنعقد من وجہین:احدھما:باختیار اھل الحل والعقد والثانی: بعھد الامام من قبل " مفہوم:امامت کا انعقاد دو طریقوں سے ہوتا ہے:اہل الحل والعقد کی اختیار سے اور پچھلے امام کی ولی عہدی سے۔

قاضی ابو یعلی الفراء الحنبلی المتوفی 458ھ بھی اپنی کتاب "الاحکام السلطانیۃ" میں حکمران کو منتخب کرنے والے طریقوں کے بارے میں بعینہ یہی عبارت نقل کر چکے ہیں : "قال :والامامۃ تنعقد من وجھین:احدھما:باختیار اھل الحل والعقد والثانی: بعھد الامام من قبل "

علامہ تفتازانی رح "شرح المقاصد" میں لکھتے ہیں: "قال: وتنعقد الامامۃ بطرق : احدھا ۔ بیعۃ اھل الحل والعقد من العلماء والروساء، ووجوہ الناس ---والثانی : استخلاف الامام وعھدہ ---الخ

قاضی عبدالرحمن الایجیؒ جو کہ کسی تعریف کا محتاج نہیں اپنی کتاب "المواقف فی علم الکلام" میں فرماتے ہیں: "قال : المقصد الثالث فیما یثبت بہ الامامۃ وانھا تثبت بالنص من الرسول ومن الامام السابق بالاجماع ، وتثبت ببیعۃ اھل الحل والعقد "
علمائے احناف اور دیگر مسالک کے معتبر فقہاء و متکلمین کے کتب سے کچھ حوالے اوپر ذکر کیے گئے۔ متکلمین علماء کی جس کتاب کی بھی بندہ مطالعہ کرلیں تو امامت کے مباحث میں انتخابِ حکمران کے شرعی طریقوں میں سے مذکورہ بالا دو طریقے ضرور دیکھنے کو ملیں گے۔

اسلامی اور جمہوری طرزِ انتخاب کا موازنہ

مذکورہ بالا عبارات کی عرق ریزی سے مطالعہ کرنے کے بعد ان کا خلاصہ چند نکات میں پیش کیا جارہا ہے۔

نکتہ اولیٰ : شریعت اسلامیہ میں ہمیں حکمران کو منتخب کرنے کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ولی عہدی کا ملتا ہے یعنی کوئی حکمران اپنی زندگی میں کسی ایسے شخص کو اپنے بعد مسلمانوں کا حکمران منتخب کرلیں جس میں حکمران بننے کی شرعی شرائط موجود ہوں۔ یہاں ان شرائط سے بحث مقصود نہیں جن کا ایک حکمران میں ہونا از روئے شرع لازمی ہیں ورنہ جمہوری طرز انتخاب کے ساتھ ان شرائط کا بھی سخت ترین تضاد موجود ہے جن کا متکلمین و فقہائے اسلام نے ذکر کردیا ہے۔ ولی عہدی کے جواز پر حوالہ جات گزر گئے کہ یہ اجماعی طریقہ ہے اور اس کا اثبات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فعل سے ہوتا ہے۔ جب انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام کی موجودگی میں منتخب کیا تھا۔ اس طرزِ انتخاب کے شرعی ہونے پر تمام صحابہ کا اجماع منقول ہے کیوں کہ کسی صحابی نے ولی عہدی کے شرعی ہونے پر کوئی اعتراض نہیں اٹھایا تھا۔ اب اگر ہم جمہوری طرز انتخاب اور اس اجماعی شرعی طرز انتخاب کا موازنہ کریں تو پہلی ہی نظر میں ہمیں کہنا پڑے گا کہ جمہوری طرز انتخاب کا اسلام کے اجماعی طرز انتخاب سے مکمل تضاد اور جدائیت کا تعلق

ہے۔ ولی عہدی کا تصور جمہوریت کی بنیادوں کو اکھاڑنے والا تصور و نظریہ ہے۔ کیوں کہ جمہوری طرزِ انتخاب میں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا حکمران کو منتخب کرنا ہر ہر فرد کا ذاتی حق ہے حکمران کے انتخاب میں رائے دینے کا حق مملکت کے ہر باشندے کو حاصل ہوتا ہے، اور جمہوری نظام کے تناظر میں مملکت کے باشندوں کا یہ ذاتی حق ان سے کوئی نہیں چھین سکتا اگر کسی جمہوری مملکت میں حکمران باشندوں سے استصوابِ رائے حاصل کیے بغیر کوئی شخص منتخب کرے تو جمہوری نظام میں یہ عوام کا حق مارنے کے مترادف سمجھا جاتا ہے اور اس نظام کو جمہوریت کہنا جمہوریت کی توہین کہلاتی ہے۔ بالفاظِ دیگر جمہوری نظام کا عقیدہ یہ ہے کہ مملکت کے افراد کا حکمران کو منتخب کرنا ان کا قانونی حق ہے کوئی شخص بھی ان سے یہ نہیں چھین سکتا اور ولی عہدی میں مملکت کے افراد کو یہ حق نہیں دیا جاتا لہذا ولی عہدی جمہوری نقطہ نظر سے حکمران کو منتخب کرنے کا ظالمانہ اور عوامی حق کو غصب کرنے والا طریقہ ہے، جہاں ولی عہدی کا تصور ہو تو وہاں جمہوریت کا تصور ممکن ہی نہیں جب کہ مستند عبارات سے ولی عہدی کا شرعی اجماعی حیثیت اوپر واضح ہو چکا ہے۔

اگر جمہوری طرزِ انتخاب کی فکر کے تناظر میں ولی عہدی کی حیثیت کو یوں بیان کی جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ قرنِ اولی میں جب ابو بکر صدیق رضی اللہ نے اپنی زندگی میں عمر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا تھا تو جمہوری فکر کی رو سے اس پاک ہستی نے عوام کا حق مار دیا تھا، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو منتخب کرتے ہوئے چونکہ سرکارِ دوجہاں کے ازواجِ مطہرات سے بھی اس بارے میں رائے نہیں لی تھی لہذا خلیفہ اول ابو بکر رضی اللہ عنہ نے امہات المؤمنین کی حق کو سلب کیا تھا۔۔۔اعاذنا اللہ من سوء هذا القول

پس جمہوری طرز انتخاب اور ولی عہدی کا طریقہ دونوں کبھی بھی جمع نہیں ہو سکتے یعنی جہاں جمہوریت ہو گی وہاں ولی عہدی کو ظلم اور عوامی حق پر ڈھاکہ ڈالنے کے مترادف سمجھا جائیگا۔ جمہوری طرز انتخاب آگ جب کہ شرعی اجماعی طرزِ انتخاب (ولی عہدی) آب حیات کے مثل ہے۔ اور یہ دونوں کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتیں۔ یاد رہے جمہوری طرزِ انتخاب اس جگہ اجماع کے مقابل کھڑی ہے لہذا اجماعِ امت کے سامنے جمہوری طرزِ انتخاب کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

نکتہ ثانیہ: گذشتہ عبارات سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ متکلمین و فقہا کا جس دوسرے طرزِ انتخاب پر اتفاق ہے وہ اہل حل و عقد کا حکمران کو منتخب کرنا ہے۔ از روئے شرع حکمران کو منتخب کرنے کا اختیار جن لوگوں کو حاصل ہے ان کے بارے میں متکلمین و فقہا کی عبارات میں ہمیں اہل الحل والعقد، اہل الاختیار، اہل الاجتہاد، اہل الرای والتدبیر وغیرہ جیسے الفاظ ملتے ہیں۔ ان الفاظ پر غور کرنے سے

یہ بات تو یقینی طور پر سمجھ آجاتی ہے کہ شریعت کچھ خاص لوگوں کو حکمران منتخب کرنے کا حق سونپ دیتی ہے کیونکہ مذکورہ الفاظ (اہل الحل ،اہل الرائ والتدبیر ،اہل الاختیار) کا دائرہ مخصوص طبقے کے گرد گھومتی نظر آتی ہے، جیسا کہ علامہ ابن نجیمؒ صریح عبارت نقل کر چکے ہیں کہ حکمران کے انتخاب میں صرف قوم کے اشراف واعیان یعنی معزز و باحیثیت لوگوں کی بیعت کا اعتبار کیا جائے گا۔ فتاوی " قاضی خان " سے علامہ ابن نجیمؒ "البحر الرائق، کتاب القضاء" میں نقل کرتے ہیں : " قال ابن نجيمؒ : وفی فتاوی قاضیخان من الردة : والسلطان يصير سلطانا بامرين : بالمبايعة معه يعتبر فی المبايعة مبايعة اشرافهم واعيانهم "انتہی

امام ابی الیسر البزدویؒ بھی "اصول الدین للبزدوی" میں لکھتے ہیں کہ اہل السنۃ والجماعۃ کہتی ہے کہ عقدِ خلافت ہمیشہ ذی رائے و ذی تدبیر لوگوں کے واسطے منعقد ہو چکی ہے :قال البزدویؒ "وعامة اهل السنة والجماعة قالوا: ما عقد لاحد خلافة الا جماعة من الراى والتدبير"

ابن نجیمؒ و ابی الیسر بزدویؒ کی عبارات سے صاف ظاہر ہو رہی ہے کہ حکمران منتخب کرنے میں جن لوگوں کے بیعت وانتخاب کا اعتبار کیا جائے گا وہ قوم کے اشراف واعیان یعنی ذی وقار ،ذی رائے اور صاحب علم لوگ ہوں گے ۔ عوام الناس و جاہل قسم کے لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں ، عقد خلافت و حکمرانی صرف ذی رائے و ذی عقل لوگوں کے انتخاب سے ثابت ہو گی اور یہی معنی محقق ابن الہمام کی کتاب "المسایرۃ" کی عبارت میں بھی مذکور ہے۔

پس فقہاو متکلمین کے ان عبارات کی تناظر میں از روئے شرع حکمران کا انتخاب ہر ہر فرد کا ذاتی حق نہیں چاہے جاہل عوام الناس، بدعتی یا زندیق کیوں نہ ہو جیسا کہ جمہوری نظریہ ہر ہر فرد کی ذاتی حق کا ہے۔اس طرح سے بھی جمہوری طرزِ انتخاب اور دوسری شرعی طریقہ کار کے مابین جدائیت واضح ہو گئی۔ لیکن مزید ہم متکلمین وفقہاء کی عبارات کے تناظر میں دیکھتے ہیں کہ کیا عوام الناس کو اور مملکت کے ہر ہر فرد چاہے بدکار و فحاش ،اعتقادی بدعتی و زنادقہ مرتدین کیوں نہ ہو جیسے روافض و اسماعیلی ،پرویزی وغیرہ کو بھی حکمران منتخب کرنے کا ذاتی حق حاصل ہے یا نہیں۔۔؟

عوام الناس کو حکمران کے انتخاب کا ذاتی حق حاصل ہے یا نہیں؟

اگر متکلمین و فقہاء کی عبارات کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں ایسے عبارات بھی ملتے ہیں جن میں عوام الناس کے بارے میں تصریح موجود ہے کہ ان کا حکمران کو منتخب کرنے میں کوئی حق نہیں بلکہ ان پر صرف سمع وطاعۃ کی بیعت واجب ہوتی ہے۔

امام الحرمین ابو لمعالی الجوینی ؒ نے اپنی کتاب "غیاث الامم فی التیاث الظلم، صفحہ: 245" پر لکھا ہے کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ عوام الناس جو علماء وعقلاء نہیں ان کا حکمران کو منتخب کرنے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں قال ابولمعالی : " فَلْتَقَعِ الْبِدَايَةُ بِمَجَالِ الْإِجْمَاعِ فِي صِفَةِ أَهْلِ الِاخْتِيَارِ ثُمَّ نَنْعَطِفُ عَلَى مَوَاقِعِ الِاجْتِهَادِ-------- وَلَا تَعَلُّقَ لَهُ بِالْعَوَامِّ الَّذِينَ لَا يُعَدُّونَ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَذَوِي الْأَحْلَامِ" مفہوم: چاہیئے کہ اہل الاختیار کی صفات میں سے اجماعی دائرہ عمل سے شروع کیا جائے اس کے بعد اجتہادی مقامات کا رخ کرتے ہیں۔۔۔انتخابِ حکمران کے ساتھ ان عام لوگوں کا کوئی تعلق نہیں جو علماء وعقلاء میں شمار نہیں ہوتے۔

علامہ ابن حجر الھیتمیؒ نے "تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج 76/9" پر نقل کیا ہے کہ اہل الحل والعقد کے علاوہ حکمران کی انتخاب میں عوام کی بیعت کا کوئی اعتبار نہیں قال ابن حجر الہیتمیؒ: (وَالْأَصَحُّ) أَنَّ الْمُعْتَبَرَ، هُوَ (بَيْعَةُ أَهْلِ الْحَلِّ وَالْعَقْدِ مِنْ الْعُلَمَاءِ وَالرُّؤَسَاءِ وَوُجُوهِ النَّاسِ الَّذِينَ يَتَيَسَّرُ اجْتِمَاعُهُمْ).............. أَمَّا بَيْعَةُ غَيْرِ أَهْلِ الْحَلِّ وَالْعَقْدِ مِنْ الْعَوَامّ فَلَا عِبْرَةَ بِهَا۔

اسی طرح علامہ شمس الدین الرملی الشافعیؒ اپنی شرح "نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج" کی "کتاب البغاۃ،٧/٤١٠" میں "فصل فی شروط الامام الاعظم وبیان طرق الامامۃ" کے تحت لکھتا ہے کہ انتخابِ حکمران میں عوام الناس کو کوئی اعتبار حاصل نہیں۔ "قال : أَمَّا بَيْعَةُ غَيْرِ أَهْلِ الْحَلِّ وَالْعَقْدِ مِنْ الْعَوَامّ فَلَا عِبْرَةَ بِهَا"

امام الحرمینؒ کا عورتوں کے بارے میں اجماعی موقف کا نقل

یہاں قابل ذکر بات ہے کہ امام الحرمینؒ نے اسی جگہ آگے عورتوں کے بارے میں بھی اجماع نقل کیا ہے کہ عورتوں کو بھی حکمران منتخب کرنے میں از روئے شرع کوئی ذاتی حق حاصل نہیں کیونکہ اگر عورتوں کو حق حاصل ہوتی تو سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور امہات المؤمنین اس بات کے زیادہ مستحق تھیں کہ حکمران کے انتخاب میں ان سے پوچھ گچھ کی جاتی حالانکہ ایسا بالکل بھی ثابت نہیں۔ قال ابو المعالی : "فَمَا نَعْلَمُهُ قَطْعًا أَنَّ النِّسْوَةَ لَا مَدْخَلَ لَهُنَّ فِي تَخَيُّرِ الْإِمَامِ وَعَقْدِ الْإِمَامَةِ، فَإِنَّهُنَّ

مَا رُوجِعْنَ قَطُّ، وَلَوِ اسْتُشِيرَ فِي هَذَا الْأَمْرِ امْرَأَةٌ ; لَكَانَ أَحْرَى النِّسَاءِ وَأَجْدَرُهُنَّ بِهَذَا الْأَمْرِ فَاطِمَةَ - عَلَيْهَا السَّلَامُ - ثُمَّ نِسْوَةَ رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ، وَنَحْنُ بِابْتِدَاءِ الْأَذْهَانِ نَعْلَمُ أَنَّهُ مَا كَانَ لَهُنَّ فِي هَذَا الْمَجَالِ مَخَاضٌ فِي مُنْقَرَضِ الْعُصُورِ وَمَكَرِّ الدُّهُورِ"

پس متکلمین وفقہاء کے ان عبارات کے تناظر میں عوام الناس کو حکمران کے منتخب کرنے کا کوئی ذاتی حق حاصل نہیں اور امام الحرمینؒ نے تو اس بات پر امت کا اجماع نقل کیا۔ خلاصہ یہ کہ جمہوی طرزِ انتخاب میں جو مملکت کے ہر ہر فرد یعنی عوام الناس و جہال کو ذاتی حق حاصل ہے اس کا امت کے اجماع سے تضاد و تعارض ہے اور نتیجتاً اس جمہوری طرزِ انتخاب جس میں عوام و علماء، سیاسی ماہر و جاہل کا کوئی فرق نہیں، اس کا کوئی شرعی حیثیت نہیں بلکہ از روئے شرع یہ طریقہ باطل ہے۔

جمہوری طرزِ انتخاب کے تناظر میں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا مملکت کے ہر ہر فرد کو چاہے وہ جاہل عامی، اعتقادی بدعتی، کافر، مرتد یا زندیق کیوں نہ ہو ان سب کو حکمران منتخب کرنے کا ذاتی حق حاصل ہوتی ہے جب کہ متکلمین وفقہاء کی عبارات سے ثابت ہو گیا کہ

لا علم عوام الناس کا اس باب میں کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

کیا فساق وفجار از روئے شریعت انتخابِ حکمران کی اہلیت رکھتی ہے یا نہیں؟

اب اس پہلو کا جائزہ لیتے ہیں کہ فساق، فجار، کفار، مرتدین، زنادقہ اور گمراہ لوگوں کو جیسا کہ ہمارے ہاں پاکستانی جمہوری نظام میں بھی مشہور ناچ گانے والے فساق و فجار ،فاحشہ عورتوں اور مردوں، عیسائیوں، ہندوؤں، قادیانیوں ،روافض ، اسماعیلی ، پرویزی وغیرہ فرقوں کو بھی ووٹ دینے کا ذاتی حق حاصل ہیں کیا شریعت میں ایسے لوگوں کو حکمران منتخب کرنے کا اختیار حاصل ہے یا نہیں۔۔۔؟

غیر مسلم رعایا کو کوئی حق حاصل نہیں

سب سے پہلے امام الحرمین کے ذکر کردہ اجماعی امور کا اگر مطالعہ کیا جائے تو انہوں نے "غیاث الامم فی التیاث الظلم، صفحہ 245" میں لکھا ہے: "قال : وَلَا مَدْخَلَ لِأَهْلِ الذِّمَّةِ فِي نَصْبِ الْأَئِمَّةِ" فرماتا ہے کہ حکمران کو منتخب کرنے میں کفار اہل ذمہ کو کوئی حق حاصل نہیں

،اس کے برعکس اگر ہم جمہوری نظام میں دیکھے تو وہاں مملکت کے غیر مسلم باشندوں کو بھی رائے دینے یعنی حکمران منتخب کرنے کا ذاتی حق حاصل ہوتی ہے۔امام الحرمین کے نقل شدہ اجماعی موقف کے تناظر میں بھی جمہوری طرزِ انتخاب کا شریعت سے تضاد واضح ہے۔ اس کے علاوہ دیگر کتب مثلاً مشہور کتاب "احکام السلطانیۃ للماوردی" میں امام ماوردیؒ نے اہل الاختیار یعنی جو لوگ حکمران کو منتخب کرنے کے اہل ہیں،ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ان میں تین شرائط کا ہونا لازمی ہے:

قال الماوردیؒ :فالشروط المعتبرة فیهم ثلاثة:احدها : العدالة الجامعة لشروطها۔والثانی : العلم الذی یتوصل به الی معرفة من یستحق الامامة علی الشروط المعتبرة فیها۔والثالث: الرای والحکمة المؤدیان الی اختیار من هو للامامة اصلح وبتدبیر المصالح اقوم واعرف"

قاضی ابی یعلی الفراء الحنبلیؒ نے بھی اپنی کتاب "الاحکام السلطانیۃ" میں بعینہ ان تین شرائط کو ذکر کیا ہے :

قال ابو یعلی الحنبلیؒ : فیعتبر فیهم ثلاث شروط۔ احدها : العدالة۔الثانی: العلم الذی یتوصل به الی معرفة من یستحق الامامة۔ والثالث: ان یکون من اهل الرای والتدبیر المؤدیین الی اختیار من هو للامامة اصلح۔"

ان عبارات کا مفہوم اور خلاصہ یہ ہے کہ حکمران کو منتخب کرنے والوں کا عادل،ذی رائے اور ان میں اس قدر علم کا ہونا لازمی ہے کہ وہ دینی و دنیوی لحاظ سے امت کے مصالح و مفاسد کے تناظر میں حکمران بننے کے لائق اور شرعی شرائط پر پورے شخص کو پہچانتے ہوئے اسے منصب حکمرانی کے لیے منتخب کرنے کے صلاحیت رکھتے ہوں۔مذکورہ شرائط کے تناظر میں بھی اگر دیکھا جائے تو عوام الناس کو حکمران کے انتخاب کا کوئی اختیار نہیں کیونکہ عوام الناس تو ظاہر ہے صفتِ علم سے خالی ہوتے ہیں، بھلا وہ سادہ لوح لوگ جنہیں نماز کے فرائض کا بھی علم نہ ہو جن کو کلمہ طیبہ تک پڑھنا نہ آتا ہو، بھلا انہیں امامت کبریٰ کے دقیق مسائل سے کیا شناسائی ہوگی۔لہذا جیسا کہ پہلے امام الحرمینؒ و دیگر فقہاء کے عبارات سے یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ ان کو انتخابِ حکمران کا کوئی حق حاصل نہیں تو یہاں ان شرائط کے ذیل میں دوبارہ ثابت ہوگیا کہ عوام الناس کو انتخابِ حکمران کا کوئی حق حاصل نہیں۔

ماہیت و معرفتِ عدالت

بہر حال یہاں ان تین شرائط میں سے ایک شرط "عدالت" کا موجود ہونا ہے۔عدالت کا معنی حکمران منتخب کرنے والے شخص کا عادل ہونا ہے۔لہذا عدالت کی ماہیت و معرفت کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے کہ فساق وفجار مرتدین اور زنادقہ کو حکمران کے انتخاب میں اختیار حاصل ہو گی یا نہیں۔

عدالت کی ماہیت کے بارے میں امام کاسائیؒ نے "کتاب الشہادۃ" جلد 5 صفحہ 402 پر مختلف عبارات نقل کی ہیں اور آخر میں امام فخر الدین علی البزدویؒ کی پسندیدہ تعریف کو ذکر کیا ہے اور یہاں بھی اسے نقل کرتے ہیں : قال الکاسانیؒ " من یجتنب الکبائر وادی الفرائض وغلبت حسناتہ سیئاتہ فھو عدل وھو اختیار استاذ استاذی الامام فخر الدین علی البزدوی رحمہ اللہ تعالی"

فرماتا ہے کہ جو شخص کبائر سے خود کو بچائے اور فرائض کا اہتمام اس ڈھنگ سے کرے کہ اس کی نیکیاں گناہوں سے زائد ہوں تو ایسا شخص عادل کہلائے گا۔علامہ حصکفیؒ نے "الدر المختار" میں نقل کیا ہے : قال الحصکفیؒ:"واقرہ ابن الکمال قال : ومتی ارتکب کبیرۃ سقطت عدالتہ" فرماتا ہے کہ جب کوئی بندہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو جائے تو اس کی عدالت ساقط ہو جاتی ہے اس پر علامہ شامیؒ "کتاب الشہادات" جلد 8 صفحہ 215 پر لکھتا ہے : قال : (کبیرۃ)الاصح انھا کل ما کان شنیعا بین المسلمین وفیہ ھتک حرمۃ الدین کما بسطہ القھستانی وغیرہ،کذا فی شرح الملتقی،وقال فی الفتح: وما فی الفتاوی الصغری:العدل من یجتنب الکبائر کلھا،حتی لو ارتکب کبیرۃ تسقط عدالتہ---بارتکاب الکبیرۃ یحتاج الظھور فلذا شرط فی شرب المحرم والسکر الادمان--الخ"فرماتا ہے صحیح یہ ہے کہ ہر وہ عمل جو مسلمانوں کے مابین شنیع و نچلا سمجھا جاتا ہو اور اس میں دینی احکام کی بے حرمتی ہو تو اس کا عادی ہو کر اسے عام محضر میں سرانجام دینے سے بندہ کی عدالت ساقط ہو جاتی ہے۔

علامۃ علاء الدین الطرابلسی الحنفیؒ "معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الاحکام "جلد 1 صفحہ 468" پر"فصل فی معرفۃ العدالۃ" کے تحت عدالت کی شرائط میں لکھتا ہے : قال : ومنھا : ان لا یلعب بشیئ من الملاھی،وھذا ینظر ان کانت مستشنعۃ بین الناس کالمزامیر والطنابیر:لم تجز شہادتہ وان لم تکن مستشنعۃ ---جازت شہادتہ الا ان یتفاحش بان یرقصوا بہ، فیدخل فی حد المعاصی والکبائر ، فحینئذ تسقط عدالتہ---منھا: ان یکون ملازما للجماعۃ محافظا علیھا لان المخلص انما یتمیز من المنافق بالمحافظۃ علی الجماعات" فرماتا ہے کہ عادل شخص وہ ہو گا جو لہو و بیکار کاموں میں مشغول نہ ہو،اور پھر دیکھا جائے گا کہ اگر لوگوں کے مابین شنیع سمجھا جاتا ہو جیسے گیت اور

باجا، تو ایسے شخص کی شہادت قبول نہیں ہوگی اور اگر شنیع نہ سمجھا جاتا ہو تو اس کی شہادت قبول ہوگی لیکن اگر اس پر رقص و ناچ کا مرتکب پایا جائے تو یہ گناہ میں داخل ہوگی، لہذا یہ بندہ ارتکابِ کبائر کی وجہ سے ساقط العدالت سمجھا جائے گا، اور عادل ہونے کے لیے یہ بات بھی لازمی ہے کہ وہ باجماعت نمازوں کا اہتمام کرنے والا ہو۔

علامہ کاسانیؒ بھی "كتاب الشهادة، 403/5" **پر لکھتے ہیں:** قال"واما المغنى فان كان يجتمع الناس عليه الفسق بصوته فلا عدالة---واما الذى يضرب شيئا من الملاهى---فان كان مستشنعا كالعود ونحوه سقطت عدالته---ولا عدالة للمخنث لان فعله وعمله كبيرة---ولا عدالة لصاحب المعصية --"

علامہ کاسانیؒ کے کلام کا مفہوم یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے ناچ گانے والے جس سے فسق وفجور کا ماحول مہیا ہو، ایسے لوگ غیر عادل شمار ہوں گے، سارنگی بجانے والے شخص کا عدالت بھی ساقط ہوتا ہے۔ ہیجڑے (خاص کر ہمارے زمانے کے ہیجڑے جو راتوں کو فحش مجرے کرتے ہیں) اور جو لوگ گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں، ان کی عدالت بھی ساقط تصوّر ہوگی۔

ماہیت عدالت و معرفتِ عادل کے ذیل میں جتنی عبارات نقل کئے گئے ان سب کو ذکر کرنے کا مقصد اور خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء و متکلمین کے نزدیک گناہ کبیرہ کا کھلے عام مرتکب شخص عادل نہیں کہلایا جاسکتا، لہذا شرطِ عدالت کے تحت کبائر کے مرتکب تمام قسم لوگوں کو حکمران کے انتخاب میں کوئی حق حاصل نہیں جب کہ جمہوری نظام میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں ان فحاش وبدکار لوگوں کو جن کا پیشہ ہی ناچنا اور گانا ہوتا ہے، جن کا روزگار فحاشی و عریانی پھیلانا ہوتا ہے، عالمی شہرت یافتہ بدکار و فحاش لوگوں کو بھی جمہوری نظام میں حکمران منتخب کرنے کا ذاتی حق حاصل ہوتا ہے۔ گزشتہ عبارات کے تناظر میں یہ بھی ثابت ہوگیا کہ نماز کا اہتمام نہ کرنے والا شخص شریعت کی نظر میں ساقط العدالت شمار کیا جاتا ہے اور حکمران کو منتخب کرنے والے شخص کا عادل ہونا لازمی ہے لہذا جس شخص کو سورت اخلاص تک یاد نہ ہو تو ظاہر ہے یہ شخص نماز کا پابند نہیں ورنہ نماز پڑھنے والے شخص کو کم از کم سورتِ اخلاص تو ضرور یاد ہوگی۔ بھلا ایسا شخص شریعت کی رو سے خاک حکمران منتخب کرنے کا مستحق ہوگا؟ حاشا و کلا کیوں کہ اس میں تو علم و عدالت دونوں شرائط مفقود ہیں جب کہ ایسے بدبخت، حکمران منتخب کرنے کی بجائے جمہوریت میں بذات خود حکمران ہوتے ہیں۔۔۔

علامہ کاسانیؒ مزید لکھتا ہے : قال "ولا عدالة لمن يظهر شتيمة الصحابة رضى الله عنهم لان شتيمة واحد من آحاد المسلمين مسقطة للعدالة فشتيمتهم اولى"

فرماتا ہے صحابہ کرام کو سب و شتم نکالنے والے ساقط العدالت شمار ہونگے جب کہ حکمران کو منتخب کرنے والے لوگوں میں عدالت کا موجود ہونا بنیادی شرط ہے۔ موجودہ شیعہ و روافض جن کا شعار ہی صحابہ پر سب و شتم بھیجنا ہے، از روئے شریعت حکمران کے انتخاب میں ان کو کوئی حق حاصل نہیں کیوں کہ ان میں عدالت کی شرط مفقود ہے جب کہ اس کے برعکس صحابہ پر سب و شتم کرنے والوں کو بھی جمہوری نظام میں انتخابِ حکمران کا حق حاصل ہے۔

پس علم و عدالت سے خالی عالمی شہرت یافتہ فحاش و بدکار قسم کے لوگ اور روافض دشمنانِ صحابہ جو بالاتفاق غیر عادل ہیں، کو بھی جمہوری طرزِ انتخاب میں حکمران منتخب کرنے کا ذاتی حق حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہمارے ہاں پاکستانی جمہوریت میں بھی یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں۔اور ستم بالائے ستم یہ کہ اس جمہوری نظام میں ان بدکار و فحاش غیر عادل لوگوں کو شیوخ الحدیث اور تقوی وللہیت میں معروف اشخاص جو سراسر عدل ہی عدل ہوتے ہیں، ان دونوں کو برابر سمجھا جاتا ہے۔ معروف گستاخانِ صحابہ اور صحابہ پر جان نچھاور کرنے والوں کو جمہوری نظام میں ایک ترازو سے تولا جاتا ہے لہذا ایسے جمہوری طرزِ انتخاب کا از روئے شرع کوئی جواز ہی نہیں۔

جمہوری طرزِ انتخاب مملکت کے تمام افراد کے لیے حکمران کے انتخاب کا ذاتی حق دینے کا علمبردار ہے چاہے لاعلم عوام الناس میں سے عورتیں یا مملکت کا عادل و غیر عادل فرد کیوں نہ ہو۔جب کہ باحوالہ ذکر کیا گیا کہ حکمران منتخب کرنے والوں میں عدالت ان کا ذی رائے ہونا اور علم شرط ہے۔اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ عوام الناس، اہلِ ذمہ یعنی کفار اور عورتوں کو حکمران کے انتخاب میں کوئی اختیار حاصل نہیں۔ان سب جمہوری بنیادوں کے عدمِ جواز پر مستند حوالہ جات کے ضمن میں رد ثابت ہو گئی ہے۔

زمانے کا گزرنا (پانچ سال) کیا از روئے شریعت حکمران کے معزولی کا سبب ہو گا یا نہیں؟

اب جمہوری طرز انتخاب کے ایک اور اصل کو متکلمین وفقہاء کی عبارات کے تناظر میں دیکھتے ہیں کہ کیا اس جمہوری اصل کا از روئے شرع کوئی جواز موجود ہے یا نہیں اور وہ اصل یہ ہے کہ جمہوری طرزِ انتخاب میں مرور الزمان (زمانے کا گزرنا) حکمران کے معزول ہونے کا سبب قرار دیا جاتا ہے۔ جمہوری ممالک مثلا پاکستان میں پانچ سال کا گزرنا حکمران کی معزولی کا سبب بنتا ہے ہر پانچ سال بعد دوبارہ حکمران کو منتخب کرنا عوام کا ذاتی حق سمجھا جاتا ہے جوں ہی یہ مذکورہ زمانہ گزر جائے تو حکمران طبقہ خود بخود معزول ہو جاتا ہے اور پھر نئے سرے سے حکمران کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

اس بارے میں متکلمین وفقہاء کی عبارات سے پہلے اس بات کا ذکر کرنا لازمی ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں یہ بات گزر گئی کہ عوام الناس، عورتوں اور فساق وفجار کو حکمران کے انتخاب کا حق حاصل نہیں تو اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جب ان کو انتخاب کا حق حاصل نہیں تو ظاہر بات ہے ان لوگوں کو حکمران معزول کرنے کا بھی حق حاصل نہیں ،اس بارے میں امام الحرمین ابو المعالی الجوینیؒ "غیاث الامم فی التیاث الظلم، صفحہ: 290" پر لکھتے ہیں : قال" فَإِنْ قِيلَ: فَمَنْ يَخْلَعُهُ؟ ۔۔قُلْنَا: الْخَلْعُ إِلَى مَنْ إِلَيْهِ الْعَقْدُ، وَقَدْ سَبَقَ وَصْفُ الْعَاقِدِينَ بِمَا فِيهِ مَقْنَعٌ، وَبَلَاغٌ تَامٌّ" امام الحرمین کے کلام کا مفہوم یہی ہے کہ حکمران کو معزول کرنے کا حق انہی لوگوں کو حاصل ہے جن کو امام کے منتخب کرنے کا حق حاصل ہو اور حکمران منتخب کرنے والوں میں سے عوام الناس عورتوں اور فساق وفجار شامل نہ ہونے پر امام الحرمین رح خود اجماع نقل کر چکے ہیں۔ بہر حال متکلمین وفقہاء کا حکمران کو معزول کرنے کے بارے میں صریح عبارات موجود ہیں۔ اس کے تناظر میں جمہوری طرزِ انتخاب کا مزید جائزہ لیتے ہوئے سب سے پہلے اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ کیا امت کو بغیر کسی سبب شرعی یعنی صرف پانچ سال گزرنے پر حکمران کو معزول کرنے کا اختیار حاصل ہے یا نہیں۔

قاضی ابی بکر محمد بن طیب الباقلانیؒ "تمہید الاوائل و تلخیص الدلائل" صفحہ 469" پر لکھتے ہیں : قال" فان قال قائل : فهل تملك الامة فسخ العقد على الامام من غير حدث يوجب خلعه كما انها تملك العقد له ؟ قيل له : لا ۔ فرماتے ہیں اگر کوئی یہ سوال اٹھائے کہ کیا امت کے اہل الاختیار کو یہ حق حاصل ہے کہ بغیر کسی سبب شرعی کے حکمران کو معزول کرلیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بالکل نہیں ان کو یہ اختیار حاصل نہیں۔

امام الحرمین ابو لمعالی الجوینیؒ "غیاث الامم فی التیاث الظلم، ص: 291" پر اس بارے میں ائمہ کرام کا اتفاق نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں : قال" الْإِمَامُ إِذَا لَمْ يَخْلُ عَنْ صِفَاتِ الْأَئِمَّةِ، فَرَامَ الْعَاقِدُونَ لَهُ عَقْدَ الْإِمَامَةِ أَنْ يَخْلَعُوهُ، لَمْ يَجِدُوا إِلَى ذَلِكَ سَبِيلًا بِاتِّفَاقِ الْأَئِمَّةِ. فَإِنَّ عَقْدَ الْإِمَامَةِ لَازِمٌ، لَا اخْتِيَارَ فِي حَلِّهِ مِنْ غَيْرِ سَبَبٍ يَقْتَضِيهِ" فرماتے ہیں ائمۃ اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر حکمران میں وہ صفات موجود ہو جن پر متصف ہونا حکمران کے لیے لازمی ہے، تو اہل الاختیار میں سے کسی کو اسے معزول کرنے کا کوئی اختیار حاصل نہیں کیوں کہ حکمرانی کا عقد لازم ہوتی ہے اور اس سے بغیر کسی سببِ شرعی عدول کرنے کی اجازت کسی کو نہیں۔

علامہ شامیؒ نے اپنے مشہورِ زمانہ کتاب "حاشیۃ ابن عابدین" جلد 6 صفحہ 402" پر عنوان لگایا ہے " مطلب فیما یستحق بہ الخلیفۃ العزلَ" اس کے تحت علامہ ایجی رح کی تصنیف "المواقف" اور "شرح المواقف" سے نقل کیا ہے: قال " وفی المواقف و شرحہ : ان للامۃ خلع الامام وعزلہ بسبب یوجبہ ، مثل ان یوجد ،منہ ما یوجب اختلال احوال المسلمین وانتکاس امور الدین کما کان لھم نصبہ واقامتہ لانتظامھا واعلائھا"

علامہ شامیؒ کے نقل شدہ کلام کا مفہوم و مقصود یہ ہے کہ اہلِ حل و عقد کو اختیار حاصل ہے کہ اگر حکمران میں کوئی ایسا سبب و عارض پایا جائے جس کی وجہ سے وہ امت مسلمہ کی مسائل کو حل کرنے سے عاجز ہو جائے تو اسے معزول کر دیا جائے گا۔ اس عارض و سبب کی توضیح علامہ شامیؒ کے اسی جگہ دوسرے نقل شدہ عبارت سے ہوتی ہے جسے "شرح المقاصد" سے نقل کیا ہے۔ قال الشامیؒ " ینحل عقد الامامۃ بما یزول بہ مقصود الامامۃ" علامہ شامیؒ فرماتا ہے کہ عقدِ امامت تب کھلے گا جب حکمران میں کوئی ایسا سبب پایا جائے جس سے مقصودِ امامت زائل ہو جاتی ہو مثلاً جنون عارض ہو جائے۔ مجنون ہونے سے ظاہر بات ہے کہ مسلمانوں کے مسائل و تنازعات وغیرہ کے حل کرنے میں خلل واقع ہو گی جو کہ امامت و حکمرانی میں مقصود ہوتی ہے، یا ایسے عقیدوی فساد کا مرتکب ہو جائے جس سے اقامتِ دین میں خلل واقع ہونے کا خدشہ ہو جو کہ مقصودِ حکمرانی ہوتی ہے کیوں کہ از روئے شریعت حکمران کو اقامتِ دین کے لیے ہی مقرر کیا جاتا ہے۔ "شرح المواقف" سے نقل شدہ عبارت میں گویا علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اگر حکمران اقامتِ دین یعنی شرعی قوانین کا نفاذ چھوڑ دے تو بھی اسے معزول کیا جائے گا اور بعینہ یہی مفہوم ہمیں مفتی تقی عثمانی صاحب کی کتاب "تکملۃ فتح الملہم جلد 3 صفحہ 275" پر ملتی ہے۔ وہاں پر تقی صاحب نے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے حکمران کے حکمرانی میں خلل ڈالنے والے ان امور کا تذکرہ نقل کیا ہے جن کے ارتکاب سے حکمران معزول سمجھا جائے گا اور اس کے خلاف خروج جائز ہو گی۔ لکھا ہے : قال " وان خلاصۃ ما ذکرہ رح فی تلک الرسالۃ ان الامور المخلۃ بالامامۃ علی سبعۃ اقسام-----والقسم السابع: ان یرتکب فسقا متعدیا الی دین الناس ، فیکرھھم علی المعاصی ---- وذلک بان یصر علی تطبیق القوانین الوضعیۃ المصادمۃ للشریعۃ الاسلامیۃ ------وحینئذ یلحق ھذا القسم بالقسم الثالث وھو الکفر البواح فیجوز الخروج علی التفصیل السابق" تقی صاحب کی عبارت کا خلاصہ یہی ہے کہ اگر حکمران فسق متعدی کا مرتکب ہو جائے جس کی صورت یہ ہو گی کہ اگر وہ شریعت سے متصادم قوانین نافذ کرے تو یہ صورت بھی معزولی کا سبب شمار کیا جائے گا۔

پس ان تمام عبارات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حکمران کو صرف شرعی سبب ہی کی وجہ سے معزول کیا جاسکتا ہے نہ کہ صرف زمانہ گزر جانے سے، جیسا کہ جمہوری طرزِ انتخاب میں پانچ سال گزرنے سے حکمران خود بخود معزول ہو جاتا ہے۔ اسلام میں تو حکمران کا سمع و طاعت امت مسلمہ پر واجب ہوتی ہے اور سمع و طاعت سے نکلنے پر احادیث میں سخت ترین وعیدات منقول ہیں۔ عن ابن عمر رضي الله عنهما مرفوعاً: «على المرء المسلم السمع والطاعة فيما أحب وكَرِهَ، إلا أن يُؤمر بمعصية، فإذا أُمِرَ بمعصية فلا سمع ولا طاعة"متفق عليه]

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلم بندہ پر (حکمران کی بات) سننا اور ماننا لازم ہے خواہ وہ بات اسے پسند ہو یا نہ ہو، الا یہ کہ اسے معصیت (گناہ) کا حکم دیا جائے۔ چنانچہ جب اسے معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر نہ سنے اور نہ اطاعت کرے۔

لہذا از روئے شرع ایسے جمہوری طرزِ انتخاب کا کوئی جواز موجود نہیں جس میں بغیر سبب شرعی کے حکمران کو مرور الزمان یعنی پانچ سال کے گزرنے سے معزول سمجھا جائے۔ قاضی ابی یعلی الفراء الحنبلیؒ "الاحکام السلطانیۃ" میں صفحہ 28" پر نقل کرتے ہے: قال" والذى يخرج به عن الامامة شئيان: الجرح فى عدالته، والنقص فى بدنه "فرماتا ہے حکمران جن اسباب سے معزول ہو گا وہ دو اشیاء ہیں اس کی عدالت میں جرح وطعن کا واقع ہو جانا اور بدن میں کوئی ایسا نقص واقع ہونا جس سے مقصود امامت فوت ہو جاتا ہو۔

امام ماوردیؒ بھی "الاحکام السلطانیۃ" صفحہ 42" پر لکھتے ہیں: قال" والذى يتغير به حاله فيخرج به عن الامامة شئيان : احدهما : جرح فى عدالته والثانى : نقص فى بدنه فاما الجرح فى عدالته وهو الفسق "فرماتا ہے حکمران دو اشیاء کی وجہ سے معزول کیا جائے گا بدنی نقصان یا اگر عدالت میں جرح پڑ جائے اور وہ فسق کی صورت میں ہو گی۔ فسق کی وضاحت مفتی تقی صاحب و تھانویؒ سے پیش کی گئی۔

یہاں آخر میں مناسب ہو گا کہ حکمران معزول کرنے کے حوالے سے جمہوری طرزِ انتخاب پر مفتی محمودؒ سے رد پیش کیا جائے۔ مفتی صاحب کے بیانات وانٹر یوز "اذانِ سحر" نامی رسالہ میں جمع کی گئی ہیں وہاں پر مفتی صاحب کا ایک صحافی کو دیا گیا جواب منقول ہے جس میں مفتی صاحب اس بات پر تصریح کر چکے ہیں کہ اسلام میں حکمران کو جمہوری طرزِ انتخاب جیسے یعنی زمانے کے گزر جانے سے معزول کرنے کا کوئی گنجائش نہیں۔ فرماتے ہیں (ایک دلچسپ بات آپ کو بتادوں کہ اسلام میں کسی سربراہ کو معزول کرنے کی گنجائش نہیں ہے) بحوالہ "اذانِ سحر صفحہ 13"

پس جمہوری طرزِ انتخاب کی اس اصل کا بھی شریعت میں کوئی گنجائش موجود نہیں اور باقی رہی عدالت میں جرح والی سبب تو اسے جمہوریت کوئی حیثیت ہی نہیں دیتی، جب کہ وہ متکلمین وفقہاء کے ہاں معزولی کے لیے مسلم سبب ہے۔ جمہوری نظام میں ہم دیکھتے ہیں کہ مملکت خداد میں 75 سال سے انگریزی قوانین نافذ العمل ہیں اور شریعت سے متصادم قوانین نافذ کرنا جیسا کہ گزر گیا، از روئے شرع معزول ہونے کا سبب ہے، لیکن یہاں کوئی حکمران بھی اس وجہ سے معزول نہیں کیا جا سکتا، کسی جج کا اس بارے میں کوئی مواخذہ ممکن نہیں کہ کیوں شریعت سے متصادم قوانین کو نافذ کئے جا رہے ہیں، کیوں شرعی قوانین اور حدود اللہ کو معطل کئے جا رہے ہیں۔ جب کہ شریعت میں مذکورہ افعال حقِ حکمرانی کو زائل کر دینے والی ہیں، لہذا جمہوری طرزِ انتخاب اور شرعی طرزِ انتخاب میں معزولی کے اسباب کے حوالے سے بھی بالکل واضح جدائیت وتضاد موجود ہے۔

خلاصہ یہ کہ جمہوری طرزِ انتخاب کا شریعت سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ضدان لا یجتمعان

"ایک شبہ"

آج کل جمہوری طرزِ انتخاب کے جواز پر ابن کثیرؒ کا حوالہ دیا جاتا ہے کہ انہوں نے "البدایۃ والنہایۃ" میں نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو منتخب کرنے کے سلسلے میں عبد الرحمن ابن عوف رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورۃ میں ہر ہر فرد سے استفسار کیا تھا حتی کہ عورتوں سے بھی پوچھ لیا تھا۔

سب سے پہلے تو ابن کثیرؒ کی عبارت کو بعینہ یہاں ذکر کیا جاتا ہے اس کے بعد شبہ ہذا سے جواب نقل کریں گے۔ ابن کثیرؒ "البدایۃ والنہایۃ 211/10" پر نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے: "ثُمَّ نَهَضَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَسْتَشِيرُ النَّاسَ فِيهِمَا وَيَجْتَمِعُ بِرُءُوسِ النَّاسِ وَأَجْنَادِهِمْ؛ جَمِيعًا وَأَشْتَاتًا، مَثْنَى وَفُرَادَى وَمُجْتَمِعِينَ، سِرًّا وَجَهْرًا، حَتَّى خَلَصَ إِلَى النِّسَاءِ الْمُخَدَّرَاتِ فِي حِجَابِهِنَّ، وَحَتَّى سَأَلَ الْوِلْدَانَ فِي الْمَكَاتِبِ، وَحَتَّى سَأَلَ مَنْ يَرِدُ مِنَ الرُّكْبَانِ وَالْأَعْرَابِ إِلَى الْمَدِينَةِ، فِي مُدَّةِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ بِلَيَالِيهَا، فَلَمْ يَجِدِ اثْنَيْنِ يَخْتَلِفَانِ فِي تَقْدِيمِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ"

ابن کثیر رح کے کلام کا مفہوم و خلاصہ یہ ہے کہ عبد الرحمن ابن عوف رضی اللہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کی تقرری میں لوگوں اور سرداروں سے ایک ایک کر کے تنہائی و مجالس میں پوشیدہ و کھلے عام ہر ممکن طریقے سے مشورہ حاصل کرنے کی کوشش کی، تا کہ معلوم

ہو جائے کہ علی و عثمان رضی اللہ عنہما کے مابین لوگ کس کو امام بننے کا زیادہ مستحق سمجھتے ہیں اور اس سلسلے میں ابن عوف رضی اللہ عنہ نے اتنی کوشش کی کہ پردہ نشین عورتوں اور مکتب میں پڑھنے والے بچوں سے بھی پوچھ لیا تھا۔

مذکورہ استدلال انتہائی کمزور و باطل ہے اور اس کی کمزوری اور ضعف کی وجہ یہ ہے کہ اس تاریخی روایت کو ابن کثیرؒ نے خود بغیر سند کے ذکر کیا ہے۔ابن کثیر رح نے خود صیغہ مجہول سے اس روایت کی شروعات کرتے ہوئے لکھا ہے : قال (وَيُرْوَى أَنَّ أَهْلَ الشُّورَى جَعَلُوا الْأَمْرَ إِلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ----الخ) ملاحظہ کیجیے ابن کثیرؒ لفظ مجہول "ويروى" سے اس روایت کو نقل کر چکے ہے۔

اس کے علاوہ ابن کثیرؒ کے اس بغیر سند والے روایت کے ساتھ اگر ہم دیگر مستند روایات کا موازنہ کر لیں تو وہاں ہمیں صرف ذی رائے لوگوں کے ساتھ مشورہ کرنے کا حوالہ ملتا ہے۔امام بخاری رح نے اس واقعہ کو صحیح بخاری میں نقل کیا ہے وہاں فقط اہلِ شوری سے مشاورت کا تذکرہ کیا ہے :قال البخاری "فَلَمَّا فُرِغَ مِنْ دَفْنِهِ اجْتَمَعَ هَؤُلَاءِ الرَّهْطُ، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ: اجْعَلُوا أَمْرَكُمْ إِلَى ثَلَاثَةٍ مِنْكُمْ، فَقَالَ الزُّبَيْرُ: قَدْ جَعَلْتُ أَمْرِي إِلَى عَلِيٍّ، فَقَالَ طَلْحَةُ: قَدْ جَعَلْتُ أَمْرِي إِلَى عُثْمَانَ، وَقَالَ سَعْدٌ: قَدْ جَعَلْتُ أَمْرِي إِلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ: أَيُّكُمَا تَبَرَّأَ مِنْ هَذَا الأَمْرِ، فَنَجْعَلُهُ إِلَيْهِ وَاللَّهُ عَلَيْهِ وَالإِسْلَامُ، لَيَنْظُرَنَّ أَفْضَلَهُمْ فِي نَفْسِهِ؟ فَأُسْكِتَ الشَّيْخَانِ، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ: أَفَتَجْعَلُونَهُ إِلَيَّ وَاللَّهُ عَلَيَّ أَنْ لَا آلُ عَنْ أَفْضَلِكُمْ قَالَا: نَعَمْ، فَأَخَذَ بِيَدِ أَحَدِهِمَا فَقَالَ: لَكَ قَرَابَةٌ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالقَدَمُ فِي الإِسْلَامِ مَا قَدْ عَلِمْتَ، فَاللَّهُ عَلَيْكَ لَئِنْ أَمَّرْتُكَ لَتَعْدِلَنَّ، وَلَئِنْ أَمَّرْتُ عُثْمَانَ لَتَسْمَعَنَّ، وَلَتُطِيعَنَّ، ثُمَّ خَلَا بِالْآخَرِ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ ذَلِكَ، فَلَمَّا أَخَذَ المِيثَاقَ قَالَ: ارْفَعْ يَدَكَ يَا عُثْمَانُ فَبَايَعَهُ، فَبَايَعَ لَهُ عَلِيٌّ، وَوَلَجَ أَهْلُ الدَّارِ فَبَايَعُوهُ"

علامہ ابن حجر رح "فتح الباری 69/7" میں نقل کرتے ہیں: قال" وَأَنَّهُ دَارَ تِلْكَ اللَّيَالِيَ كُلَّهَا عَلَى الصَّحَابَةِ وَمَنْ وَافَى الْمَدِينَةَ مِنْ أَشْرَافِ النَّاسِ لَا يَخْلُو بِرَجُلٍ مِنْهُمْ إِلَّا أَمَرَهُ بِعُثْمَانَ" فرماتا ہے کہ ان ایام میں جو سردار و ذی رائے لوگ مدینہ میں مہیا تھے تو ابن عوف رضی اللہ عنہ نے ان سے استفسار کیا تھا۔

علامہ ذہبی رح نے "تاریخ الاسلام 304/3" میں نقل کیا ہے: قال "وَقَالَ حُمَيْد بْن عبد الرحمن بْن عوف: أخبرني المِسْوَر إنّ النَّفَر الذين ولَّاهم عُمَر اجتمعوا فتشاوروا فَقَالَ عبد الرحمن: لست بالّذي أُنافِسُكم هذا الأمر ولكنْ إنْ شئتم اخْتَرْتُ لكم منكم، فجعلوا ذلك إلى عبد الرحمنقال: فو الله مَا رأيت رجلًا بذَّ قومًا أشدّ مَا بذَّهُم حين ولّوه أمْرَهُم، حتّى مَا من رجلٍ من على عبد الرحمن يُشاورونه ويُنَاجُونه تلك اللّيالي، لَا يخلو به رجلٌ ذو رأيٍ فيَعْدِل بعثمان أحدًا"

ملاحظہ کیجیے علامہ ذہبیؒ نے ابن عوف رضی اللہ عنہ کے حوالے سے سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ تمام ذی رائے لوگوں نے ابن عوف رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تصویب کر دی۔ بالکل اسی طرح عبارت جلال الدین سیوطیؒ نے بھی "تاریخ الخلفاء صفحہ 266" میں نقل کیا ہے۔

ابن جریر الطبریؒ "تاریخ طبری 231/4" میں اپنے سند سے نقل کرتے ہیں کہ ابن عوف رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں جو سپہ سالار و سردار مہیا ہوگئے ان سے پوچھ گچھ کی۔قال "وَدَارَ عَبْدُ الرحمن لياليه يلقى اصحاب رسول الله ص وَمَنْ وَافَى الْمَدِينَةَ مِنْ أُمَرَاءِ الأَجْنَادِ وَأَشْرَافِ النَّاسِ، يُشَاوِرُهُمْ، وَلا يَخْلُو بِرَجُلٍ إِلا أَمَرَهُ بِعُثْمَان"

سند کے اعتبار سے اگر ابن کثیرؒ کے نقل شدہ واقعہ کا موازنہ مذکورہ دیگر عبارات سے کیا جائے تو باعتبارِ سند مذکورہ واقعہ کا کوئی اعتبار نہیں کیوں کہ دیگر کتب کے عبارات متکلمین وفقہاء سے منقول شدہ تفاصیل سے بھی مطابقت رکھتی ہیں جیسا کہ اوپر باحوالہ یہ بات گزر چکی ہے کہ حکمران منتخب کرنے میں اشراف واعیان یعنی ذی وقار وذی رائے لوگوں کا اعتبار کیا جائے گا۔ لہذا متکلمین وفقہاء کی عبارات اور دیگر تاریخی روایات سے تضاد رکھنے کی وجہ سے ابن کثیرؒ کے نقل شدہ قصے سے استدلال انتہائی ضعیف اور غلط ہے۔

اس کے علاوہ باعتبارِ متن اگر ابن کثیرؒ کے نقل شدہ قصہ کو دیکھا جائے تو بھی اس سے جمہوری طرزِ انتخاب کے جواز پر استدلال بداہتہ غلط ہے۔ کیوں کہ اگر اس قصہ سے عوام الناس اور عورتوں کے لیے حکمران کے انتخاب میں ذاتی حق کا اثبات کیا جائے، تو کیا یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انتخاب میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ازواج مطہرات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لختِ جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حق تلفی کی تھی کیوں کہ صحابہ کرام نے ان سے کوئی مشورہ اور رائے لے ہی نہ تھی۔۔۔؟

کیا کوئی سنی مسلمان اس بات کا قائل ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منتخب کرتے ہوئے امت مسلمہ کا حقِ انتخاب غصب کیا تھا۔۔۔؟ معاذ اللہ

اسی طرح جمہوری طرزِ انتخاب کے جواز پر اس قصہ سے استدلال اس وجہ سے بھی فاسد ہے کہ اگر سوال کیا جائے کہ کیا ابن عوف رضی اللہ عنہ نے فساق وفجار سے بھی رائے طلب کی تھی یا صرف ذی رائے وصالح لوگوں سے رائے حاصل کی تھی۔۔۔؟ تو جواب

ظاہر ہے یہی ہو گا کہ فساق وفجار جیسا کہ جمہوری طرزِ انتخاب میں ہوتا ہے ایسا ابن عوف رضی اللہ نے قطعاً نہیں کیا تھا اور نہ کوئی بندہ ابن عوف رضی اللہ عنہ پر یہ تہمت لگا سکتا ہے۔ تو جب فساق وفجار سے رائے طلب ہی نہیں کی گئی تھی تو اس قصہ سے مروجہ جمہوری طرزِ انتخاب پر استدلال خود بخود باطل تصور ہو گا کیوں کہ جمہوری طرزِ انتخاب میں تو عالمی شہرت یافتہ بدکاروں، فحاشوں، فساق وفجار سے رائے لینا ان کا ذاتی حق سمجھا جاتا ہے اور اس کا شریعت میں کوئی جواز ہی نہیں۔ اسی طرح اگر حکمران کا انتخاب عوام کا ذاتی حق ہوتا تو ضرور عبد الرحمن ابن عوف رضی اللہ عنہ مدینہ سے باہر بھی لوگوں سے رائے جمع کر لیتا اور پھر ان کی رائے کو شمار کرتے ہوئے اکثریت پر فیصلہ کرتے جب کہ ایسا قطعاً ثابت نہیں۔

پس ابن کثیرؒ کے نقل شدہ واقعہ سے عوام الناس و عورتوں کے لیے حکمران کے انتخاب میں ذاتی حق کا اثبات کرنا دلائل کے رو سے صحیح نہیں۔ متکلمین وفقہاء نے سیاست وامامت کے حوالے سے کتابوں میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔ چودہ سو سال کے زمانے میں علماء نے مکمل بسط وتفصیل کے ساتھ ان جزئیات کو بیان کیا ہے۔ شیخ الحدیث مولانا عبد الباقی صاحب [1] نے اپنی کتاب میں سیاست کے موضوع پر تین سو تیرہ کتابوں کے نام لکھے ہیں لیکن اس قدر ضخیم اسلامی سیاسی تراث میں جمہوری طرزِ انتخاب کو ثابت کرنے کے لیے اس بے سند قصے کے علاوہ علمِ کلام وفقہاء کے عبارات میں کوئی ایک عبارت بھی موجود نہیں جب کہ اس قصہ کا بطلان باعتبارِ سند و متن دونوں طریقوں سے واضح ہو گئی۔ (ماخوذ از: تنویر الظلمات بکشف مفاسد وشبہات الانتخابات)

[1] سابقہ مدرس دار العلوم اسلامیہ چارسدہ و جامعہ دار العلوم حقانیہ، حالیہ وزیر امارت اسلامیہ افغانستان

جمہوری طرزِ انتخاب کے غیر شرعی ہونے پر علمائے دیوبند کے اقوال

1۔ علمائے دیوبند میں سے نامور شخصیت جو کہ کسی تعارف کا محتاج نہیں فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے فتوی دیتے ہوئے لکھا ہے:

(سوال: 2۔۔۔۔۔جمہوریت کسے کہتے ہیں اور اسلام میں اس کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب حامدا و مصلیا: 2۔۔۔۔آج کل جمہوریت کا مفہوم یہ ہے کہ ہر بالغ مرد و عورت خواندہ و ناخواندہ عاقل کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہو اور ان کے ووٹوں کی اکثریت سے سربراہ حکمران تجویز کیا جاتا ہو، اسلام میں اس جمہوریت کا کوئی وجود نہیں، نہ سلیم العقل اس کے اندر خیر متصور کر سکتا ہے، ظاہر ہے کہ اکثریت نادانوں اور جاہلوں کی ہے، وہ لوگ ایسے ہی شخص کو ووٹ دیں گے جن کی ذریعہ ان کی خواہشات پوری ہونے کی توقع ہو اور یقین ہے کہ ان کی خواہشات میں خیر غالب نہیں بلکہ شر غالب ہے، تو شر پھیلانے والے کا انتخاب کرنا کونسی عقل کی بات ہے۔

جو لوگ سیاستدانی کے بڑے بڑے دعویدار تمام حکومتوں پر بے لاگ تبصرہ کرنے والے ارباب قلم ہیں وہ بھی اس جمہوریت پر اس قسم کا تبصرہ کرتے ہیں، اس ملک و حکومت کا کیا ٹھکانہ ہے جہاں سربراہی ہی کا معیار اہلیت اور دلائل سے ہٹا کر عوام کالانعام کی کثرت رائے پر رکھ دیا جائے)

حوالہ: فتاوی محمودیۃ۔ جلد چہارم، کتاب السیاسیۃ، صفحہ 602۔

2۔ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے نصف صدی کے فتاوٰی کا مجموعہ "فتاوی حقانیہ" میں جمہوری طرزِ انتخاب یعنی ووٹنگ کے بارے میں مذکور ہے: (ووٹنگ کے مروجہ نظام کے مقابلہ میں اسلام میں شورائی اور استخلاف کا نظام موجود ہے۔ قولہ تعالی: وشاورھم فی الامرفاذا عزمت فتوکل علی اللہ)

حوالہ: "فتاوی حقانیۃ" جلد دوم، صفحہ 350"

3۔ حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ نے ایک سوال کے جواب میں جمہوری طرزِ انتخاب پر سات نکات میں تفصیلی رد لکھا ہے لیکن یہاں ان میں سے بعض کو نقل کیا جاتا ہے تفصیل وہاں ملاحظہ کیجیے:

(جواب: اسلامی نقطہ نظر سے حکومت کا انتخاب ہونا چاہیئے لیکن موجودہ طریقِ انتخاب جو ہمارے ہاں رائج ہے کئی وجوہ سے غلط اور محتاجِ اصلاح ہے۔۔۔۔ ششم: تمام عقلاء کا مسلمہ اصول ہے کہ کسی معاملہ میں صرف اس کے ماہرین سے رائے طلب کی جاتی ہے، لیکن سیاست اور حکمرانی شاید دنیا کی ایسی ذلیل ترین چیز ہے کہ اس میں ہر کس و ناکس کو مشورہ دینے کا اہل سمجھا جاتا ہے اور ایک بھنگی کی رائے بھی وہی قدر و قیمت اور وزن رکھتی ہے جو سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی، اور چونکہ عوام ذاتی اور وقتی مسائل سے آگے ملک و ملت کے وسیع ترین مفادات کو نہ سوچ سکتے ہیں اور نہ سوچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اس لیے جو شخص رائے عامہ کو ہنگامی وجذباتی نعروں کے ذریعہ گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جائے وہ ملک و ملت کی قسمت کا خدا بن بیٹھتا ہے، یہی وہ بنیادی غلطی ہے جسے ابلیس نے "سلطانی جمہور" کا نام دے کر دنیا کے دل و دماغ پر مسلط کر دیا ہے۔ اسلام اس احمقانہ نظریے کا قائل نہیں وہ حکومت میں اہلِ بصیرت اور اربابِ بست و کشاد کو رائے دہندگی کا اہل سمجھتا ہے، شاعر ملت اقبال مرحوم کے الفاظ میں:

گریز از طرزِ جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خر کار یک انسان نمی آید

ہفتم: موجودہ طریقِ انتخاب تجربے کی کسوٹی پر بھی کھوٹا ثابت ہوا ہے۔۔۔۔ انتخاب ہر پانچ سال بعد کرانا کوئی شرعی فرض نہیں، لیکن اگر حکمران میں کوئی ایسی خرابی نہ پائی جائے جو اس کی معزولی کا تقاضا کرتی ہو تو اس کو بدلنا جائز نہیں۔۔۔۔ الخ

حوالہ: "آپکے مسائل اور ان کا حل" جلد ہفتم، صفحہ 666۔

4۔ مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری فرماتے ہیں: (آج کل کی نام نہاد جمہوریت سے اسلام کا کوئی واسطہ نہیں، جس میں عقل و بصیرت کے بجائے صرف تعداد دیکھی جاتی ہے، اور قطعاً بے عقل اور نااہل لوگوں کو بھی ذی بصیرت خواص کے پہلو میں کھڑا کر دیا جاتا ہے، ایسی اندھیر نگری کا اسلام میں کوئی تصور نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حوالہ: "کتاب النوازل" جلد دوم، صفحہ 538۔

5۔ حضرت اقدس شاہ حکیم اختر حکیم الامت حضرت تھانوی کے حوالے سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(قانون جمہوریت کے باطل ہونے پر دلائل: یہ جمہوریت اور الیکشن جو یورپ سے ہمیں ملا ہے، یہ بہت بڑی لعنت ہے۔اس میں کبھی بھی حق نہیں آسکتا۔۔۔اس لئے حکیم الامت نے بیان القران میں قران پاک کی دلیل سے جمہوریت کو باطل قرار دیا ہے فرماتے ہیں وشاورھم فی الامر۔۔ حکیم الامت نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ جمہوریت باطل ہے،الیکشن باطل ہیں۔۔الخ)

حوالہ: جامعہ دارالعلوم زکریا سے شائع شدہ اصلاحی مجلہ "زکریا" جلد:12 رجب المرجب 1440 مارچ/اپریل 2019۔۔شمارہ:1۔قسط:3 ۔موضوع "مجاہدے کے ساتھ صحبت اہل اللہ ضروری ہے" تحریر کنندہ: حضرت اقدس شاہ حکیم اختر

حضرت شاہ حکیم اختر صاحب ایک اور جگہ ووٹنگ والیکشن کے تصور پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:("اسلام میں جمہوریت کوئی چیز نہیں کہ جدھر زیادہ ووٹ ہو جائیں ادھر ہی ہو جاؤ، بلکہ اسلام کا کمال یہ ہے کہ ساری دنیا ایک طرف ہو جائے لیکن مسلمان اللہ کا ہی رہتا ہے۔جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفا کی پہاڑی پر نبوت کا اعلان کیا تھا تو الیکشن اور ووٹوں کے اعتبار سے کوئی بھی نبی کے ساتھ نہ تھا۔ نبی کے پاس صرف اپنا ووٹ تھا، لیکن کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے پیغام سے باز آگئے کہ جمہوریت چونکہ میرے خلاف ہے، اکثریت کی ووٹنگ میرے خلاف ہے، اس لیے میں اعلان نبوت سے باز رہتا ہوں"؟ (خزائنِ معرفت ومحبت، ص209)

6۔ مفتی زرولی خان رحمہ اللہ کے جمعے کا ایک بیان "بتاریخ 22 فروری 2019" جو کہ سوشل میڈیا اور انکے مدرسہ کی ویب سائٹ پر موجود ہے۔اس میں حضرت مفتی صاحب نے موجودہ جمہوری طرز انتخاب پر رد کرتے ہوئے اسے غیر شرعی قرار دیا ہے اور عربی زبان میں "جمہور" اور جمہوریت" کے مابین فرق کو بھی اپنے انداز میں بیان فرمایا ہے بعینہ ان کے الفاظ کو یہاں تحریراً نقل کرتے ہیں۔

فرماتا ہے: ((ایک وقت ایسا بھی آیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ووٹ کم تھے۔ اور ابو جھل و کفار کے ووٹ زیادہ تھیں۔ اس لئے تو علماء اس طریقے کو ناجائز کہتے ہیں کہ اس میں ایک ابو حنیفہؒ کے پائے کا بزرگ اور ایک ہیر و نچی اور چرسی اور بھنگی اور شرابی سب ایک ووٹ کے حقدار ہے، سابقہ خلافتوں میں ایسا نہیں تھا۔ خلافت کیلئے چند موزون افراد ہوتے تھیں جو ہر شہر اور ملک میں جانے پہچانے جاتے تھیں کہ یہ ہمارے مذہب کے علماء ہیں، انکو جمہور کہتے ہیں، "جمھرۃ" کے معنی ہے "وہ ریت جو چمکتی ہو، یہ نہیں کہ "جمہور" کا معنی ہے "اکثریت" یہ فضول معنی دیا گیا ہے، فضول معنی، "جمہور" کا معنی "اکثریت" کسی باب میں، کسی لغت میں، کسی ڈکشنری میں کسی کا باپ بھی نہیں دکھا سکتا ہیں، اور کسی نے لکھا ہے تو غلط لکھا ہے، اس نے لغت کو مسخ کیا ہے۔انتھی))

7۔ حضرت مولانا مفتی سید مختار الدین شاہ صاحب نے اپنے مایہ ناز تصنیف "اسرار العروج" میں جمہوری نظام پر خوب تفصیلی رد لکھا ہے۔ جمہوری طرزِ انتخاب کے رد میں یوسف لدھیانوی رح کا مضمون جو کہ ماہنامہ "بینات" میں شائع ہو چکا تھا اسے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(تمام دُنیا کے عقلاء کا قاعدہ ہے کہ کسی اہم معاملے میں اس کے ماہرین سے مشورہ لیا جاتا ہے، اسی قاعدے کے مطابق اسلام نے انتخابِ خلیفہ کی ذمہ داری اہلِ حل و عقد پر ڈالی ہے، جو رموزِ مملکت کو سمجھتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ اس کے لئے موزوں ترین شخصیت کون ہو سکتی ہے، جیسا کہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے فرمایا تھا: ''انما الشوریٰ للمهاجرين والأنصار۔ ترجمہ:... ''خلیفہ کے انتخاب کا حق صرف مہاجرین وانصار کو حاصل ہے۔

لیکن بت کدۂ جمہوریت کے برہمنوں کا ''فتویٰ'' یہ ہے کہ حکومت کے انتخاب کا حق ماہرین کو نہیں بلکہ عوام کو ہے۔ دُنیا کا کوئی کام اور منصوبہ ایسا نہیں جس میں ماہرین کے بجائے عوام سے مشورہ لیا جاتا ہو، کسی معمولی سے معمولی ادارے کو چلانے کے لئے بھی اس کے ماہرین سے مشورہ طلب کیا جاتا ہے، لیکن یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ حکومت کا ادارہ (جو تمام اداروں کی ماں ہے اور مملکت کے تمام وسائل جس کے قبضے میں ہیں، اس کو) چلانے کے لئے ماہرین سے نہیں بلکہ عوام سے رائے لی جاتی ہے، حالانکہ عوام کی ننانوے فیصدا کثریت یہ ہی نہیں جانتی کہ حکومت کیسے چلائی جاتی ہے؟ اس کی پالیسیاں کیسے مرتب کی جاتی ہیں؟ اور

حکمرانی کے اُصول و آداب اور نشیب و فراز کیا کیا ہیں...؟ایک حکیم و دانا کی رائے کو ایک گھسیارے کی رائے کے ہم وزن شمار کرنا، اور ایک کندہ ناتراش کی رائے کو ایک عالی دماغ مدبر کی رائے کے برابر قرار دینا، یہ وہ تماشا ہے جو دُنیا کو پہلی بار ''جمہوریت'' کے نام سے دِکھایا گیا ہے۔)

قد تم بعون الملک الوهاب

یوم الاحد

۱جمادی الثانی۱٤٤٤ھ

موافق

۲۵ دسمبر۲۰۲۲